انتشارات پنجابی ادبی اکادمی
۳۸

پنجابی شکوہ

ڈاکٹر سر محمد اقبال کی اُردو نظم کا ترجمہ

از قلم

پیرزادہ فضل احمد فاروقی ، ۱۹[illegible]ء —

باھتمام

گوھر نوشاھی

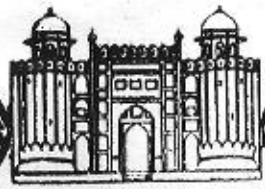

تشکر

پنجابی ادبی اکیڈمی

دولتِ پاکستان غربی

کی ممنون ہے

جس نے اکیڈمی کو مناسب مالی امداد دے کر

اس کتاب کی طباعت کے لیے

اہم وسیلہ بہم پہنچایا ہے

IQBAL ACADEMY PAKISTAN
LIBRARY
Acc. No. 15386
LAHORE

مندرجات

۱ - ترجمے کا فن اور پنجابی شکوہ از گوہر نوشاہی ۱

۲ - پنجابی شکوہ از پیرزادہ فضل احمد فاروق ۲۳

۷۸۶

پنجابی شکوہ

ڈاکٹر محمد اقبال بیرسٹرایٹ لا کی معرکتہ الآرا اردو نظم یعنی
شکوہ کا پنجابی نظم میں ترجمہ

از قلم

پیرزادہ فضل احمد فاروقی خلف الرشید میاں فتح محمد صاحب
سجادہ نشین استازی قدس حضرت شاہ نور جمال صاحب
واقعہ موضع سلیرن ضلع ہوشیارپور

سنہ ۱۹۱۸ء

سٹار پرنٹنگ پریس ہوشیارپور میں باہتمام محمد نذیر چھپا

اصل مطبوعہ کتاب کے سرورق کا عکس

۸۹۱۴۲۹۱۱ و
پ ۶۵
۱۵۳۳۶

ترجمے کا فن اور پنجابی شکوہ

زبان و ادب کی وسعت اور ترقی کے لئے ترجمہ ایک خاص مقام رکھتا ہے ۔ ترجمہ در اصل اجنبی ادب و ثقافت سے اخذ و استفادے ہی کی ایک شکل ہے ۔ ترجمہ ایک ملک ، ایک مخصوص جغرافیائی خطے اور ایک خاص قوم کے ادب و ثقافت ، تہذیب و تمدن ، جذبات و احساسات اور علوم و فنون کو دوسری قوموں تک منتقل کر کے ایک مخصوص اور محدود طبقے کی ملکیت کو پوری انسانیت کی ملکیت بنا دیتا ہے ۔ یہ سلسلہ روز ازل سے جاری ہے اور ابد تک رہے گا ۔ دنیا کی کوئی زبان اور کوئی ثقافت ایسی نہیں، جو ایک مخصوص علاقے میں رہ کر دوسرے علاقوں کی ثقافت سے متاثر ہوئے بغیر معراج کمال تک پہنچی ہو ۔

ظ ۔ انصاری کا یہ کہنا بالکل بجا ہے کہ :

” نئی زبانیں قدیم زبانوں کی انگلی پکڑ کر چلنا سیکھتی ہیں اور قدیم و جدید زبانیں اپنی ہم عصر زبانوں کا سہارا لیتی ہیں ــــ اور ترجمہ ہی ایک سب سے اہم ذریعہ ہے جس کی بدولت یہ عمل آج تک جاری ہے “ ۔

اور ضمیر اظہر کی یہ بات کہ ” اس (ترجمے) کی ضرورت اس

وقت پیش آتی ہے جب ہمارے یہاں کسی چیز کا فقدان ہو ،، اگر تمام و کمال قابل تسلیم نہیں تو اس میں کسی حد تک صداقت ضرور موجود ہے ۔

۲

ترجمہ کیا ہے ؟ کیا یہ تخلیقی عمل ہے یا خالصتاً تکنیکی ؟ کیا ترجمہ ایک زبان سے دوسری زبان میں ممکن ہے یا نہیں ؟ کیا اچھا ترجمہ صرف نثر ہی میں ہو سکتا ہے یا نظم میں بھی کیا جا سکتا ہے ؟ کیا نظم کا ترجمہ نظم میں ممکن ہے یا نہیں ؟ کیا ترجمہ ، استفادہ اور تشریح میں کوئی حد قائم کی جا سکتی ہے ؟ اچھے ترجمے اور اچھے مترجم میں کسی قسم کی خصوصیات ہونا ضروری ہیں؟ یہ سب مسائل ایسے ہیں جنہیں سمجھنے اور سمجھانے کے لئے بڑے بڑے نامور علماء نے اپنی عمریں صرف کی ہیں لیکن کسی ایک نتیجے پر نہیں پہنچ سکے ۔ درج ذیل سطور میں ہم مختلف علماء کے بیان کی روشنی میں ان مسائل کو سمجھنے کی کوشش کریں گے ۔

۳

ترجمے کے فن پر ٹٹلر ، کیمبل ، آندرے ژید ، نکلسن ، راس کومن ، ظ ۔ انصاری ، ممتاز حسن اور لئیق بابری نے جو کچھ لکھا ہے اس کا بالتفصیل بیان تو اس جگہ طول کلام ہوگا البتہ ان فضلاء نے اس فن پر جو مباحث پیش کئے ہیں ان کا مختصر جائزہ یقیناً ہمارے مطالعے کے لئے سود مند ہوگا اور مندرجہ بالا مسائل کو سمجھنے میں ہمیں مدد دے گا ۔ ایک زبان کے لفظ کی جگہ دوسری زبان کا ہم معنی لفظ رکھ دینا ترجمہ نہیں بلکہ تبادلہ ہے ۔ ظ ۔ انصاری لکھتے ہیں :

”لفظ کا ہم پلہ ہونا ترجمے کی خوبی نہیں ہے بلکہ ترجمے کی خوبی ہے الفاظ کی ترتیب اور اس ترتیب سے پیدا ہونے والے خاص مفہوم کا ہم پلہ ہونا“۔

اس اقتباس سے صاف ظاہر ہے کہ ترجمہ اصل کے الفاظ کی بجائے مفہوم کی طرف زیادہ جھکا ہوتا ہے۔ مفہوم کو حاصل کرنا، سمجھنا اور اس کا ابلاغ ترجمہ کی سب سے بڑی خوبی ضرور ہے لیکن یہ خصوصیت آسانی سے حاصل نہیں ہوتی۔ ہر تجربہ جب مکینیکل ریکارڈ کی صورت میں کاغذ پر آتا ہے تو الفاظ کی قید میں اسیر ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد اسے اپنانے یا اس تجربے سے استفادہ کرنے کے لئے زبان کی طرف رجوع کرنا ناگزیر ہوتا ہے اور ایک زبان کا دوسری زبان میں اپنے ہم‌معنی الفاظ تلاش کر لینا کوئی معمولی بات نہیں۔ اس کے پیچھے برسوں کے تہذیبی، جغرافیائی اور ذہنی رشتے بر سر عمل نظر آتے ہیں۔ جس طرح ایک مخصوص علاقے یا خطے کی ثقافت، انداز فکر و نظر دوسرے ملک کے انداز فکر و نظر سے سو فیصد نہیں مل سکتے۔ اسی طرح ایک زبان کا ادب پارہ دوسری زبان میں بہ تمام و کمال منتقل نہیں ہوسکتا۔ اور یہی وجہ ہے کہ ترجمے کے فن کے بارے میں علماء صحیح طور پر فیصلہ نہیں کر سکے کہ یہ سراسر تخلیقی عمل ہے یا تکنیکی۔ اسی الجھن کے زیر اثر لوگوں کا خیال ہے کہ ترجمے کو پرکھنے کے لئے کوئی خاص اصول وضع نہیں کیا گیا۔ چنانچہ ظ۔ انصاری لکھتے ہیں:

”ترجمہ اگر کامیاب ہو تو بجائے خود تخلیقی ادب کا حصہ بن جاتا ہے۔ اس کے احتساب کا کوئی اصول وضع نہیں کیا گیا۔ اور نہ ایسے پیمانے بنا کر ترجمہ کرنے والوں کے سامنے

رکھے گئے ہیں جو احتساب کے کام آ سکیں ،، ۔

ظ ۔ انصاری کے اس اقتباس کا پہلا حصہ خاصی الجھن پیدا کر رہا ہے ۔ کیونکہ اس سے ترجمہ شاعری ، مصوری ، موسیقی اور دوسری تخلیقی اصناف کے ساتھ مل کر اپنی ذاتی حیثیت کھو دیتا ہے ۔ ترجمہ تخلیق نہیں بلکہ تخلیق کا عکس ہے ۔ اگرچہ اس ایک نقطے کے بارے میں بھی لکھنے والوں کے آپس میں اختلاف موجود ہیں کیونکہ ان میں سے کچھ لوگ اس عکس کو مصور اور اداکار کا عمل اور دوسرے ،، محدب عدسہ ،، کا کام سمجھتے ہیں ۔ لیکن اس بات پر سبھی متفق ہیں کہ ترجمہ تخلیق نہیں اصل کی نقالی ہے ۔ اس جگہ یہ بات بھی شاید کچھ الجھاؤ پیدا کرتی ہے کہ کیا انسانی ذہن ایک مشینی پرزے یعنی ،، محدب عدسہ ،، کا کام دے سکتا ہے ؟ جبکہ کوئی چیز ذہن کے ،، عمل رد و قبول ،، سے بچ نہیں سکتی ، تو اس مسئلے میں یوں مفاہمت ہو سکتی ہے کہ اگر مترجم شعوری طور پر ترجمے میں مداخلت کرے گا تو ذہن کے ،، رد و قبول ،، کا عمل فن میں نظر آئے گا اور اگر وہ غیر جانب داری اختیار کرے گا تو فن میں میکانیکی عمل کی کیفیت پیدا ہو سکتی ہے ۔ عین اسی طرح جیسے کوئی شخص اگر لاشعوری طور پر کوئی حرکت کر رہا ہے تو اس میں غیرجانب دار ہے اور اگر شعوری کوشش سے کرتا ہے تو اداکار ہے ۔

غیر جانب دار اور لاشعوری کوششوں کا میں نے ابھی ابھی ذکر کیا ہے ۔ یہ تمام مترجم کی اپنی ذات سے وابستہ ہیں اور یہ باتیں اس کے سامنے ترجمہ کرنے سے پہلے ذاتی محاسبے کی صورت میں آتی ہیں ۔ ترجمے میں یہ لاشعوری کوشش مترجم کی ،، انا ،، کو دبا کر شعوری بن جاتی ہیں ۔ ترجمے کے فن میں غیرجانب داری

کا عمل اسے با اصول اور سائنٹیفک بناتا ھے ۔

تخلیق اور ترجمے میں ایک فرق یہ بھی ھے کہ تخلیق میں الفاظ یا مکینیکل ریکارڈ ذریعۂ اظہار ضرور ھوتے ھیں لیکن اصل تخلیق نہیں ۔ اس کے برعکس ترجمہ اسی وقت ترجمہ ھے جب وہ ایک ''مکینیکل ریکارڈ،، سے دوسرے ''مکینیکل ریکارڈ،، تک منتقل ھو جاتا ھے ۔

ایک زبان سے دوسری زبان میں تجربے یا مفہوم کو منتقل کرتے ھوئے جو دقتیں پیش آتی ھیں انھیں کو مد نظر رکھا جائے تو یہ بات ثابت ھو جاتی ھے کہ ترجمہ ایک خالص شعوری اور اکتسابی عمل ھے ۔ جس کو انجام دینے کے لئے با قاعدہ ریاضت اور مجاھدے کی ضرورت ھے ۔ اس جگہ نامناسب نہ ھو گا اگر اس بیان کی صداقت کے لئے چند ایک فضلاء کی آراء نقل کردی جائیں ۔ ٹٹلر کہتا ھے :

''اپنی زبان کے متبادل محاورات کے مکمل علم کے بغیر کوئی مترجم اصل کی بنیادی خصوصیات تک رسائی نہیں حاصل کر سکتا ۔ لیکن ایک دونوں زبانوں کا ماھر مترجم بھی بعض اوقات اصل کا مفہوم واضح کرنے میں ناکام رھتا ھے ۔
آندرے ژید لکھتا ھے :

مجھے اس بات کا یقین ھے کہ ٹیگور کی نظموں کا ترجمہ کرتے ھوئے مجھے اس سے بھی زیادہ کاوش کرنی پڑی ھے اور میرا اتنا زیادہ وقت صرف ھوا ھے جتنا کہ خود اسے اپنی نظم لکھنے میں نہ لگا ھوگا ۔
ظ ۔ انصاری کا بیان ھے :

''ترجمہ کرنے والے کو اصل کی نقل اور اصل کے سارے امکانات پیش کرنے کے لئے یہ تمام آزادیاں میسر نہیں ہوتیں ۔ وہ اپنی طرف سے نہ مبالغہ کرسکتا ہے نہ الفاظ کی رنگ آمیزی ۔ اس کا فرض 'کج دار و مریز' کا ہے کہ دوڑو بھی اور پیالہ نہ چھلکنے پائے۔'' ترجمے کی ان مشکلات کا ذکر لئیق بابری اور ممتاز حسن نے بھی کیا ہے ۔

اس بحث کے بعد میں ترجمے میں زبان کے کردار کی طرف آتا ہوں اور اپنی بات ظ ۔ انصاری کے ان الفاظ کے حوالے سے شروع کرتا ہوں ۔

''ترجمے میں مصنف کے الفاظ کو دوسری زبان میں منتقل کرنا دراصل ذریعہ ہے ، مقصد نہیں ہے ۔ مقصد تو مفہوم اور خیال کی ادائیگی ہے'' ۔

اس بیان کی رو سے زبان کی اہمیت پس منظر میں چلی گئی ہے ۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ پس منظر کے بغیر کسی چیز کو سمجھنا ہوا کو مٹھی میں بند کرنے کے برابر ہے ۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ زبان کا مطالعہ اسی غرض سے کیا جاتا ہے کہ الفاظ کے قلعوں میں چھپے ہوئے مفہوم اور مطالب کے شہزادوں تک رسائی حاصل کی جائے ۔ اگر مترجم الفاظ کی نوک پلک درست کرتے کرتے اصل مفہوم سے ہٹ جائے اس کی مثال اس شارح کی ہے جو شعر میں عروضی خوبیاں تلاش کرنے میں مصروف رہتا ہے اور اصل مفہوم تک نہیں پہنچ سکتا ۔ ایسا ترجمہ لئیق بابری کے الفاظ کے مطابق ترجمہ نہیں بلکہ مزدور کا کام بن کر رہ جاتا ہے ۔

ترجمہ کرتے وقت مترجم کو جہاں دونوں زبانوں پر پورا عبور حاصل کرنا پڑتا ہے وہاں اسے یہ بھی دیکھنا ہوتا ہے کہ ترجمہ کرنے کے بعد تحریر اس کی اپنی نہ بن جائے بلکہ اصل مصنف کی رہے ۔ اسے صرف یہ دیکھنا ہوتا ہے کہ اگر اصل مصنف اپنی زبان کی بجائے میری زبان لکھتا تو اس مفہوم کو کیسے ادا کرتا ۔

اب ہم بحث کے اس موڑ پر آ گئے ہیں جہاں اصل مصنف اور مترجم بالکل آمنے سامنے کھڑے ہیں اور ہم اس بات کو سمجھنے کی کوشش کر رہے ہیں کہ مترجم کر اصل مصنف کے ساتھ ترجمے کے دوران میں کیسا سلوک کرنا چاہئے ۔ اس مسئلے میں بھی آراء میں اختلاف موجود ہے ۔ راس کومن(Ras Common)* کہتا ہے:

"Fall when be falls and rise, when be rises,,.

یعنی مترجم کو چاہئے کہ جہاں پر اصل مصنف گرتا ہو وہاں گر جائے اور جہاں پر بلند ہوتا ہو بلند ہو جائے ۔ اس سے پہلے کہ اس بیان پر تبصرہ کیا جائے دو تین دانشوروں کے نظریات اور پیش کئے جاتے ہیں تاکہ ان سب کی روشنی میں کچھ نتائج اخذ کئے جاسکیں ۔ کیمبل کہتا ہے :

مترجم کو اصل کے ساتھ گرنے اور بلند ہونے کی بجائے ہر وقت بلند ہوتے جانا چاہئے ۔ ٹٹلر کے الفاظ ہیں:

''مترجم کو اصل کے ساتھ ساتھ چلنا چاہئے جہاں اصل گرنے لگے وہاں نہ صرف بلند ہوجائے بلکہ اسے کندھوں پر اٹھالے''۔

* ٹٹلر بحوالہ' راس کومن

ٹٹلر نے اپنے الفاظ کی تائید میں پوپ کے ترجموں کی کی مثالیں دی ہیں اور کہا ہے کہ ہومر بعض مقامات پر غلط Illusion دیتا ہے لیکن پوپ اپنے فن سے اس کی پردہ پوشی کرتا ہے ۔ ٹٹلر نے اپنے بیان کو اپنی کتاب میں ایک اور جگہ پر ان الفاظ میں دھرایا ہے :

''جہاں مصنف کا ابلاغ مبہم یا مشکوک ہوا اور جہاں عبارت میں ایک سے زیادہ معانی پیدا ہوتے ہوں وہاں مترجم کو مصنف کے مقصد کا اندازہ کرنا ضروری ہے وہ ایسے معنی کا انتخاب کرے جو مصنف کے عام طرز فکر ، انداز بیان اور پورے خیال کا احاطہ کرسکے ۔ اصل کے ابہام کی تقلید کرنا سراسر غلطی ہے''۔

جہاں تک مصنف کے عام طرز فکر ، انداز بیان اور پورے خیال کا احاطہ کرنے کا تعلق ہے ٹٹلر کا مشورہ بالکل بجا ہے ۔ لیکن مترجم کا مصنف کے اسلوب سے الگ رہنا ترجمے کے لئے یقیناً مہلک ہے ، کیونکہ ایسا کرنے سے تحریر سے اصل مصنف کے غائب ہو جانے کا اندیشہ ہے ۔ اس خطرے کو خود ٹٹلر نے بھی محسوس کیا ہے اور مندرجہ ذیل دو اقتباس اس کے ان نظریات کو واضح کرتے ہیں:

''کامیاب ترجمے میں یہ بات بھی دیکھی جاتی ہے کہ ترجمہ نگار کس حد تک اپنے آپ کو اصل کے روپ میں دھار لیتا ہے ۔''

''مترجم کا اصل کے اسلوب کو اپنانا مفہوم اور معانی کے ابلاغ سے مشکل ہے ۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ صحیح معنوں میں اسلوب کو اپنانے کی خصوصیت بہت کم لوگوں میں ہوتی ہے ۔ قابل مترجم پہچان لے گا کہ اصل کا اسلوب سنجیدہ ہے یا خطیبانہ

آسان ہے یا مشکل ،، ۔

ان دو اقتباسات کی روشنی میں ٹٹلر کے پہلے بیان کی حیثیت کمزور ہو جاتی ہے ۔ جس میں وہ مترجم کو اصل کی ہمراہی کے دوران شخصی ،، انا ،، بحال رکھنے کی نصیحت کرتا ہے ۔

مترجم کی سب سے بڑی خوبی اپنے فن کے ساتھ خلوص اور دیانت داری ہے اور یہ دیانت داری اسے اسی صورت میں حاصل ہوسکتی ہے جبکہ وہ اصل کی ہمراہی میں کسی ذاتی تعصب کا شکار نہ ہوجائے ۔ مترجم کا فرض ہے کہ وہ دو زبانوں (یعنی جس میں ترجمہ کیا جارہا ہے اور جس سے ترجمہ کیا جارہا ہے) کے درمیان ایسا اعتدال قائم کرے جس کے زیر اثر دونوں میں سے کسی ایک کا مزاج دوسری پر حاوی نہ ہو جائے ۔ یہ بات کوئی زیادہ مشکل نہیں ۔ ہر زبان میں مختلف جذبات کے اظہار کے لئے محاورے اور علامتیں موجود ہیں ۔ مترجم کو صرف اس بات پر غور کرنا ہے کہ ایک تجربہ اصل مصنف نے کس علامت سے واضح کیا ہے اور دوسری زبان میں وہی تجربہ کس علامت سے واضح ہوگا ۔ یہ مرحلہ ایسا نازک ہے کہ اس میں سر مو جنبش بھی مترجم کو گمراہ کرسکتی ہے ، کیونکہ اگر ترجمہ اصل سے دب گیا تو سپاٹ ہو جائے گا اور اگر اصل پر غالب آگیا تو تشریح یا استفادہ کہلائے گا ، ترجمہ نہیں کہلا سکتا ۔ اس لئے کہ مترجم کا کام تو اصل کی نقالی ہے، اپنی شخصیت کی نمائش نہیں ۔ ٹٹلر کہتا ہے :

،،جب مترجم اصل میں بعض جذبات کا اضافہ کرتا ہے تو یہ غلطی ہے، یعنی اصل کی شخصیت کے خلاف چیزیں نہ لائے ،،۔

اس جگہ ایک اور نہایت اہم سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا مترجم اپنی شخصیت کی مداخلت کے بغیر کام سر انجام دے سکتا ہے؟ اس سوال کے جواب میں میں لئیق بابری کے مقالے سے تین اقتباس پیش کرتا ہوں۔

۱۔ ''مترجم اپنی ذاتی خصوصیات کو برقرار رکھتے ہوئے اپنے آپ سے باہر نکل کر مصنف کی ذہنی شخصیت کو اپنے اندر جذب کرتا ہے اور اس کے لئے ایک قدرتی وصف کی ضرورت ہے۔

۲۔ ''مترجم کے تخیل کی اڑان کو چند زنجیریں روک دیتی ہیں، وہ یہ کہ مصنف اور مترجم کے درمیان ایک طبعی رشتہ پہلے ہی سے قائم ہوتا ہے۔ ذہن اور مزاج کی ہم آہنگی ہوتی ہے جس کی رہبری میں مترجم کو کام کرنا پڑتا ہے۔ اور یہ بات اس کے لئے فائدہ مند ہے، کیونکہ اس طرح سے وہ فہم اور اسلوب کی کوتاہیوں سے بچ جاتا ہے۔

۳۔ '' مصنف کے ہاں اس کی فنی استعداد کے اظہار میں کتنا بھی تنوع ہو، اس کی شخصیت ایک ہوتی ہے۔ اگر مترجم نے اس وحدت کو ڈھونڈ لیا ہے اور اسے اپنی ذاتی وحدت سے مشترک کرلیا ہے، تو سمجھ لیجئے کہ وہ بہت سی غلطیوں اور ٹھوکروں سے بچ گیا ہے''۔

اگر یہ اقتباس زیادہ طویل ہوگئے ہیں تو میں قارئین سے معذرت خواہ ہوں۔ حقیقت یہ ہے کہ ان سے ہمارے بہت سے مسائل حل ہو جاتے ہیں۔ ضمیر اظہر نے باغ و بہار کے بارے

میں لکھا ہے کہ اس کا مترجم اصل سے مرعوب نہیں بلکہ اس پر غالب ہے ،، ۔ میری ذاتی رائے بھی یہی ہے کہ باغ و بہار ترجمے کے فن کے اعتبار سے ترجمہ کم اور اخذ و استفادہ زیادہ ہے ۔ اور یہی وجہ ہے کہ یہ کتاب ترجمے کی بجائے میر امن کی ذاتی تصنیف بن گئی ہے ۔

بعض حضرات کا خیال ہے کہ کامیاب ترجمہ صرف نثر میں ہی ہو سکتا ہے ، نظم میں ممکن نہیں ۔ مثلاً اے ۔ آر ۔ نکلسن کہتا ہے :

،، میرے ترجمے فن اور اصل کے ساتھ ہم آہنگ نظر آتے ہیں ، اسی لئے نثر میں ہیں ،، ۔

اسی طرح ٹٹلر کے الفاظ ہیں :

،، نظم کا ترجمہ دوسری زبان میں جب ہم لفظ بہ لفظ کر دیتے ہیں اور اگرچہ بحر بھی وہی لے آئیں ، اس کے باوجود ترجمہ کم قیمت کا ہے ،، ۔

لیکن یہ باتیں محض اعتراف عجز کی حیثیت رکھتی ہیں ۔ ورنہ ترجمہ اگر جس صورت میں اصل تصنیف ہے اسی صورت میں کیا جائے اور کامیاب ہو جائے تو اس سے بڑھ کر فن کی خوبی اور کیا ہو سکتی ہے ۔ اور ٹٹلر کے یہ الفاظ جو میں پہلے بھی درج کر چکا ہوں نہایت معنی خیز ہیں کہ :

،، مترجم کا اصل کے اسلوب کو اپنانا مفہوم اور معانی کے ابلاغ سے مشکل ہے ۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ صحیح معنی میں اسلوب کو اپنانے کی خصوصیت بہت کم لوگوں میں ہوتی ہے ،، ۔

اردو اور پنجابی میں ایسے منظوم ترجموں کی کمی نہیں جن کے مطالعے کے بعد نکلسن اور ٹٹار کے ان بیانات کو بڑی آسانی کے ساتھ مسترد کیا جا سکتا ہے ۔

۴

پنجابی شکوہ اقبال کی شہرہ آفاق نظم شکوہ کا غالباً پہلا منظوم ترجمہ ہے ، جو ۱۹۱۸ء میں علامہ موصوف کے ایام حیات میں طبع ہوا اور ایک روایت* کے مطابق علامہ کی خدمت میں جالندھر کی ایک ادبی نشست میں پیش کیا گیا ۔ اس سے قبل کہ '' پنجابی شکوہ ،، کے مترجم کے حالات زندگی اور ترجمے کے فنی محاسن پر بحث کی جائے ، ضروری معلوم ہوتا ہے کہ شکوۂ اقبال کے دوسرے تراجم کا مختصر جائزہ پیش کیا جائے ۔

پنجابی شکوہ کے علاوہ میرے علم میں شکوۂ اقبال کے مختلف زبانوں میں آٹھ تراجم ہیں ۔ ان کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے ۔ ان میں سے پہلے پانچ کا تعارف احمد میاں اختر نے اپنی کتاب ''اقبالیات کا تنقیدی جائزہ ،، میں درج کیا ہے ۔

بنگالی زبان میں تراجم :

۱ ۔ میزان الرحمان نے اقبال کی نظموں میں بال جبریل ، ضرب کلیم ، شکوہ اور جواب شکوہ کے بنگالی زبان میں

* یہ روایت مترجم کے حقیقی چچازاد بھائی پیرزادہ علی اکبر نے راقم الحروف سے بیان کی ہے ۔ پیرزادہ علی اکبر جالندھر کے ممتاز صوفی شاعر حضرت اثر جالندھری کے صاحبزادے ہیں ۔ مترجم کے بیشتر حالات انہیں کی زبانی معلوم ہوئے ہیں (گ — ن) ۔

منظوم تراجم کئے ہیں ۔

۲ ۔ شکوہ : از اشرف علی

مترجم ''سلطان،، اخبار کے مدیر بھی ہیں ۔

۳ ۔ شکوہ اور جواب شکوہ منظوم : از پروفیسر امین‌الدین ۔ پروفیسر صاحب موصوف انٹرمیڈیٹ کالج ڈھاکہ میں استاد ہیں ۔

۴ ۔ شکوہ و جواب شکوہ منظوم : از محمد سلطان ۔ موصوف کلکتہ مدرسہ میں استاد ہیں ۔ شکوہ اور جواب شکوہ کے علاوہ بعض دیگر منظومات اقبال بھی ترجمہ کی ہیں ۔

عربی ترجمہ :

۵ ۔ مصر کے شاعر سعید علی شعلان نے شکوے کا ترجمہ عربی زبان میں کیا ہے، جو حسن الاعظمی کے مجموعۂ تراجم منظومات اقبال (فلسفۂ اقبال) کے ساتھ شائع ہوچکا ہے ۔

فارسی ترجمہ :

۶ ۔ گورنمنٹ کالج کوئٹہ کے استاد آغا صادق نے شکوہ کا ترجمہ فارسی زبان میں کیا ہے ، جس کا کچھ حصہ سہ ماہی مجلہ '' ہلال ،، کراچی مارچ تا جون ۶۰ء میں طبع ہوا تھا ۔

انگریزی ترجمہ :

۷ ۔ شکوہ اور جواب شکوہ کا ترجمہ الطاف حسین نے انگریزی زبان میں کیا تھا جو Complaint and Answer کے نام

سے لاہور میں چھپا تھا*

پنجابی ترجمہ :

۸ - گوجرانوالہ کے ایک فاضل ادیب اور شاعر احمد حسین قریشی نے بھی شکوہ ، جواب شکوہ اور دیگر منظومات اقبال کا پنجابی زبان میں ترجمہ کیا ہے -

۵

زیر نظر "پنجابی شکوہ" کے مترجم پیرزادہ فضل احمد فاروقی ۱۹۰۱ء کے قریب موضع ملیرن ضلع ھوشیار پور میں پیدا ھوئے - ابتدائی تعلیم کے علاوہ عربی ، فارسی اور دیگر درسی علوم اسی جگہ حاصل کئے - ان کے والد پیرفتح محمد صاحب آستانہ شاہ نور جمال (رح) کے سجادہ نشین تھے - پیر صاحب علوم ظاہری کے علاوہ فیضان باطنی سے بھی مالا مال تھے - پیرزادہ فضل احمد کی تربیت جس ماحول میں ھوئی وہ خالصتاً متوکلانہ اور درویشانہ تھا - جوان ھوئے تو جالندھر میں آ گئے - یہاں پیرزادہ عبدالحمید ایڈوکیٹ کے ساتھ کلرک کی حیثیت سے کام کرنے لگے - پیرزادہ عبدالحمید مولانا اثر جالندھری کے صاحبزادے اور علم و ادب کے شیدائی تھے- ان کے گھر سے پیرزادہ فضل احمد میں ادبی بصیرت پیدا ھوئی - جالندھر اس زمانے میں علمی و ادبی تحریکات کا مرکز بنا ھوا تھا - ان تحریکات میں جو شخصیتیں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتی تھیں ان میں مولانا غلام قادر گرامی ، محمد علی آذر (شاگرد حضرت نوح ناروی) حکیم غلام قادر اثر جالندھری، محمد کبیر خان رسا ،معراج ھوشیار پوری ،

*S.A. Vahid.

اور نوجوانوں میں پیرزادہ علی اکبر ، حفیظ جالندھری اور پیرزادہ فضل احمد کے نام قابل ذکر ہیں ۔ یہ سب حضرات مہینے میں دو مرتبہ پیرزادہ عبدالحمید کی کوٹھی پر جمع ہوتے اور محفل شعر و سخن گرم کرتے تھے ۔ ان سرگرمیوں کا نقشہ پرویز شامی نے اپنے مضمون ''محمود اور محمود نظامی'' میں پیش کیا ہے ۔ محمود نظامی کی ادبی زندگی کا آغاز بھی انہیں محفلوں سے ہوا تھا ۔

علامہ اقبال کے اس گروہ کے ساتھ گہرے مراسم تھے ۔ غلام قادر گرامی سے کسب فیض کا ذکر انہوں نے اسرار و رموز کے پہلے ایڈیشن میں کیا ہے (یہ دیباچہ کتاب کے دو حصوں میں تقسیم ہونے کے بعد حذف دیا کر گیا) علامہ موصوف اکثر جالندھر جاتے تھے جہاں ہر مرتبہ ان کے اعزاز میں شعر و سخن کی خاص نشستیں منعقد ہوتی تھیں ۔ پیرزادہ فضل احمد کی تربیت اسی ماحول میں ہوئی ۔ انہوں نے علامہ اقبال کو ان محفلوں میں اچھی طرح دیکھا، ان کے اشعار ان کی اپنی زبان سے سنے اور ان کی شخصیت کا بغور مطالعہ کیا ۔ جالندھر کے ادبی حلقوں میں علامہ کی مقبولیت کا اندازہ ''پنجابی شکوہ'' سے کیا جا سکتا ہے ۔ پیرزادہ فضل احمد پنجابی کے پر مغز شاعر تھے ۔ ان کی پنجابی غزلوں ، کافیوں اور سحرفیوں کی خاصی تعداد تھی ، جو ۱۹۴۷ء کے انقلاب کی نذر ہوگئی ۔ شاعری کے علاوہ انہیں ڈرامے اور صحافت سے بھی گہری دلچسپی تھی ، پیرزادہ علی اکبر کے بیان کے مطابق پیرزادہ فضل احمد کچھ عرصہ بمبئی میں آغا حشر کی تھیٹریکل کمپنی میں Extra Boy کی حیثیت سے کام کرتے رہے ۔ اس کے بعد صحافت کے شوق میں لاہور آ گئے ۔ جہاں ان دنوں دنیائے صحافت میں زمیندار اخبار کا طوطی بول رہا تھا ۔ یہ وہ زمانہ تھا جب ''ترک موالات'' کی

تحریک کے تحت زمیندار اخبار کے دو تین مدیر گرفتار ہو چکے تھے ۔ پیرزادہ فضل احمد زمیندار کے سٹاف میں شامل ہوگئے ۔ پیرزادہ علی اکبر کا کہنا ہے کہ وہ زمیندار میں نائب مدیر کی حیثیت سے کچھ عرصہ کام کرتے رہے ۔ لیکن مولانا غلام رسول مہر اس بات سے اختلاف رکھتے ہیں ۔ ان کا کہنا ہے کہ پیرزادہ فضل احمد کو چند دنوں کے لئے عملے کا نگران مقرر کیا گیا تھا اور وہ اگرچہ نائب مدیر کے میز پر ہی بیٹھتے تھے لیکن کام نہیں کر سکتے تھے۔ اس لئے کہ ان کا صحافتی تجربہ اس قدر نہ تھا اور یہ ضرورت بھی اس وقت پیش آئی جب ایک مدیر بغیر اطلاع کے اچانک گرفتار ہو گیا اور ہنگامی حالات میں اور کوئی آدمی دستیاب نہ ہوسکا ۔

مولانا غلام رسول مہر پیرزادہ فضل احمد کی شخصیت کے بارے میں بھی کچھ باتیں جانتے ہیں ، کیونکہ موصوف کے ساتھ ان کی خاصی ملاقاتیں رہی ہیں ۔ مہر صاحب کا کہنا ہے کہ پیر زادہ فضل احمد سفید رنگ کے دراز قامت اور جسیم و لحیم نوجوان تھے۔ آواز میں بہت رعب اور باتوں میں خلوص تھا۔ نہایت منکسر مزاج اور ملنسار آدمی تھے۔ وہ بہت عمدہ لباس پہنتے تھے اور ہمیشہ خوش رہتے تھے ۔ وہ مولانا ظفرعلی خان کے سچے خیر خواہوں میں سے تھے ۔

پیرزادہ علی اکبر کے بیان کے مطابق آخری عمر میں انہوں نے درویشی کی زندگی اختیار کر لی تھی ۔ اب ان کا لباس تہبند ، لمبا سا چوغا اور گیروے رنگ کی پگڑی ہوتا تھا ۔

پیرزادہ فضل احمد مئی ۱۹۶۱ء میں بمقام اندھا پنہ (گوجرہ، ضلع لائلپور) فوت ہوئے ۔

۶

فن ترجمہ نگاری کے ماہرین کا اس رائے پر اتفاق ہے کہ وہ زبانیں جن کے درمیان کچھ نہ کچھ مزاج کی ہم آہنگی ہوتی ہے آسانی سے ایک دوسری میں ترجمہ کی جا سکتی ہیں ۔

پنجابی شکوہ اقبال کی اردو نظم کا پنجابی زبان میں ترجمہ ہے ۔ اور شاید یہ بات اب کسی قسم کی بحث و تمحیص کی محتاج نہیں کہ اردو زبان کا وجود جن عناصر اربعہ سے تیار ہوا ہے پنجابی زبان ان میں سے ایک ہے ۔ پنجابی زبان کا مزاج ، لب و لہجہ اور گھن گرج سب اردو زبان میں موجود ہے اور اردو زبان کی تمام باریکیاں اور اظہار و بیان کے تمام اسلوب پنجابی زبان کی دسترس میں ہیں ۔ پنجابی شکوہ جہاں دیگر خصوصیات کی بنا پر ایک کامیاب ترجمہ تسلیم کیا جاتا ہے وہاں ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ مترجم نے دونوں زبانوں کے بنیادی لب و لہجہ اور مزاج کو پا لیا ہے ۔

پنجابی شکوہ کا مترجم اپنے اصل مصنف یعنی علامہ اقبال کی شخصیت ، ان کے ذاتی محاسن اور ان کی فکری وحدت سے اچھی طرح واقف تھا ۔ ان کے مسائل سے باخبر تھا اور ان کے احساسات کو اپنے دل کی دھڑکنوں میں محسوس کرتا تھا ۔ اس کی بدیہی مثالیں پنجابی شکوہ میں موجود ہیں ۔

پنجابی شکوہ کی ایک خصوصیت جو اسے اس نظم کے دوسرے تراجم سے ممتاز کرتی ہے یہ ہے کہ اس میں مترجم نے اصل تصنیف کے اسلوب اور مزاج دونوں پر قدرت حاصل کر لی ہے ۔ اردو کے الفاظ کے بدلے میں پنجابی کے ایسے جچے تلے الفاظ استعمال

کئے ہیں کہ اگر اصل تصنیف سامنے نہ ہو تو ترجمہ بجائے خود ایک تخلیق معلوم ہوتا ہے اور اگر اصل تصنیف سامنے ہو تو مترجم کی فنی مہارت پر اسے دل کھول کر داد دینی پڑتی ہے ۔ یہ وہی خصوصیت ہے جسے اپنانا ٹٹار کے خیال میں مترجم کے لئے بے حد مشکل ہے ۔ مثال کے طور پر پہلے بند کو لے لیجئے ۔ اقبال کہتا ہے :

کیوں زیاں کار بنوں سود فراموش رہوں
فکر فردا نہ کروں محو غم دوش رہوں
نالے بلبل کے سنوں اور ہمہ تن گوش رہوں
ہم نوا میں بھی کوئی گل ہوں کہ خاموش رہوں

جرأت آموز مری تاب سخن ہے مجھ کو
شکوہ اللہ سے خاکم بدہن ہے مجھ کو

پنجابی شکوہ میں اس کا ترجمہ ان الفاظ میں درج ہے :

کیوں کراں سودا ایتھے گھاٹیاں دا نفع والی گلوں بھلن ھار ھوواں
دیواں فکر وسار کل آونے دا سدا پچھلیاں غماں دا یار ھوواں
سناں سدا میں کوئل دے کوکنے نوں او ھدی صدا تے مست اک بار ھوواں
میں بھی پھلاں دے وانگ چپ چاپ نا ھیں دیواں چپ نوں توڑ ھشیار ھوواں
چڑھیا چاء تحریر دا قلم تائیں ھویا سخن نوں جوش دلیریاں دا
شکوہ رب تھیں کراں مونہہ خاک گھتاں عوض ملے مونہہ زوریاں میریاں دا

اس بند میں بلبل کی بجائے کوئل کا لفظ مترجم نے استعمال کیا ہے ۔ اس کے استعمال نے اگرچہ اصل کی کوئی خاص عکاسی نہیں کی، لیکن چونکہ کوئل کا بھی باغ سے گہرا تعلق ہے اس لئے

مفہوم ادا ہو گیا ہے ۔ اس کے برعکس ٹیپ کے شعر کا ترجمہ بے حد خوبصورت ہے ۔ الفاظ بدلے ہوئے ہیں لیکن ترجمے میں اس قدر معنویت اور شیرینی آ گئی ہے کہ اسلوب کے اعتبار سے بالکل اقبال کا پنجابی کلام معلوم ہوتا ہے ۔ ''خاکم بدہن'' کا ترجمہ ''مونہہ خاک گھتاں'' نیا بھی ہے اور خوبصورت بھی ۔ الفاظ کے استعمال کے بارے میں یہ آزاد روی اس حقیقت کی غمازی بھی کر رہی ہے کہ مترجم اصل سے مرعوب نہیں بلکہ اس کے پہلو بہ پہلو چل رہا ہے ۔

اقبال کی نظم شکوہ میں ایک خصوصیت یہ ہے کہ اس میں ایک ایسے انسان کے جذبات کا اظہار ہے جو اپنے سے بڑی طاقت کے ساتھ ہم کلام بھی ہونا چاہتا ہے ، لیکن اس کی جلالت اور کبریائی سے مرعوب بھی ہے ۔ یہ کیفیت اس مجرم کی حالت سے ملتی جلتی ہے جس نے جرم کیا ہے اور اپنی صفائی میں بیان بھی دے رہا ہے ۔ یہ کیفیت اقبال کی پوری نظم میں جاری و ساری ہے ۔ حتیٰ کہ اس نظم کا یہ بند جو غالباً سب سے زیادہ objective attitude رکھتا ہے ، اس میں بھی یہ خوف برابر جھلک رہا ہے ۔ بند ملاحظہ فرمائیے :

صفحۂ دہر سے باطل کو مٹایا ہم نے
نوع انسان کو غلامی سے چھڑایا ہم نے

تیرے کعبے کو جبینوں سے سجایا ہم نے
تیرے قرآن کو سینوں سے لگایا ہم نے

پھر بھی ہم سے یہ گلہ ہے کہ وفادار نہیں
ہم وفادار نہیں ، تو بھی تو دلدار نہیں

اب اس بند کا ترجمہ پنجابی شکوے میں دیکھئے :

اسیں جھوٹ نہیں ملک نوں پاک کر کے کفر شرک دا دور نشان کیتا
اسیں قید غلامی دی بیڑیاں نوں دتا توڑ آزاد انسان کیتا

تیرے کعبے دی پاک زمین تائیں وگڑ متھیاں لھو لہان کیتا
اپی جان دا اک تعویز ہر دم تیرا پاک کلام قرآن کیتا

پھر وی طعنیاں نال توں مارناھیں میرے نال تساڈڑا پیار ناھیں
اساں من لیتا وفادار ناھیں توں بھی بیلیا کدی دلدار ناھیں

اس بند سے ظاہر ہے کہ وہ خوف جو اقبال کے اندر ” درد پنہاں ،، کی صورت میں ہے یہاں واضح ہے ۔ مترجم اس ذات بزرگ سے اصل سے زیادہ متاثر ہے ۔ لیکن فنی اعتبار سے اس کے باوجود ترجمے کو کمزور نہیں ہونے دیا ۔ اس بند میں سینوں سے لگے ہوئے قرآن کا ” جان دا تعویز ،، کیا لاجواب اور پرتاثیر ترجمہ ہے ۔

مصنف کے اسلوب کو اپنانے کا ایک فائدہ یہ ہوتا ہے کہ ترجمے میں اصل کی طرح مجموعی طور پر ایسی گونج پیدا ہو جاتی ہے ، جو اسے دوسری تحریروں سے اسی طرح الگ کر دیتی ہے جس طرح اصل الگ ہوتا ہے ۔ مثال کے طور پر انجیل کے تراجم میں یہ خاص خیال رکھا گیا ہے کہ ترجمے میں وہی زور پیدا ہو جائے جو کلام خداوندی کا نشان ہے ۔

پنجابی شکوہ اپنے اندر یہ خصوصیات لئے ہوئے ہے ۔ اس کا ثبوت اس کتاب کا مطالعہ قارئین کو بہم پنہچائیگا ۔

آخر میں مجھے اپنے چند کرم فرماؤں کا بالخصوص شکریہ ادا کرنا ہے ، جن کی معاونت اور رہنمائی نے مجھے اس کام کی بطریق احسن انجام دھی کے قابل بنایا ۔ ان میں میرے استاد گرامی جناب ڈاکٹر وحید قریشی اور جناب خلیل الرحمان داؤدی بالخصوص قابل ذکر ہیں ۔ جن کے مفید مشورے میرے لئے ہر قدم پر مشعل راہ بنے ۔

میں جناب مولانا غلام رسول مہر اور پیرزادہ علی اکبر کا بھی تہ دل سے ممنون ہوں کہ انہوں نے مترجم کے بارے میں مجھے معلومات بہم پہنچائیں ۔

اصل نسخے میں پنجابی الفاظ کی کتابت بیشتر مقامات پر غلط تھی ۔ اسے درست کر دیا گیا ہے ۔ اس سلسلے میں پنجابی ادب کے مدیر جناب محمد آصف خان کی معاونت کا شکریہ ادا کرنا بھی مجھ پر واجب ہے ۔

سانده روڈ کرشن نگر — گوہر نوشاہی

لاہور — ۲۷ جنوری ۱۹۶۴ء

مآخذ

۱ ۔ ظ ۔ انصاری : زبان و بیان — دلی ، فروری ۱۹۵۹ء

۲ ۔ احمد میاں اختر: اقبالیات کا تنقیدی جائزہ — کراچی ، ۱۹۵۵ء

۳ ۔ ممتاز حسن (مرتب): جذبات نادر — کراچی ، ۱۹۶۱ء

4. Tytler—Tytler's Essays on the Principles of translation. 1747—1814. A.D. London.

5. Quiller—Couch—On the Art of writing. Cambridge, 1936.

6. Walter Raleigh—Style London.

7. A.H. Smith—Aspects of translation. London, 1958.

8. S.A. Vahid—Introduction to Iqbal. Karachi.

مقالات :

۱ - ضمیر اظہر: ترجمہ اور ماحول ، مطبوعہ علی گڑھ یونیورسٹی میگزین شمارہ ۱، ۱۹۵۷ء

۲ - لئیق بابری : ترجمے کا فن ، مطبوعہ راوی مجلۂ گورنمنٹ کالج لاہور، اپریل ۱۹۶۳ء

۱۵۳۳۶

بسم‌الله الرحمان الرحیم

کیویں کراں سودا ایتھے گھاٹیاں دا نفع والی گلوں بھلن ہار ہووان
دیوان فکر وسار کل آونے دا سدا جھلیاں غماں دا یار ہووان
سناں سدا میں کوئل دے کوکنے نوں او ھدی صدا نے مست اک بار ہووان
میں بھی پھلاں دے وانگ چپ چاپ ناھیں دیوان چپ نوں توڑ ھشیار ہووان
چڑھیا جا تحریر دا قلم تائیں ہویا سخن نوں جوش دلیریاں دا
شکوہ رب تھیں کراں مونہہ خاک گھتاں عوض ملے مونہہ‌زوریاں میریاں دا

اساں شوق رھیا تابعداریاں دا تیرے عشق اندر مشہور ہوئے
قصہ درد نے دکھ دے نال بھریا تینوں آ کھنے نوں مجبور ہوئے
اسیں چپ چپاتڑے ساز تیرے سبھے نال فریاد بھرپور ہوئے
آھیں درد بھریاں نہیں رکدیاں ھین اسیں صبر قرار تھیں دور ہوئے
سنیں عرض مولا کریں کرم سائیاں اج شکوہ تیرے وفادار کردے
جیہڑے نت وڈیاؤندے نام تیرا اپنے گلے دا اج اظہار کردے

توں والیا مڈھ قدیم توں سی تیرے نام دا کوئی اظہار ناھیں
زینت زیب سی پھل گلزار اندر کدی دیوے شمیم دیدار ناھیں

پنجابی شکوہ

ایہہ شرط انصاف دی رب سائیاں تیرے کرم دا کجھ شمار ناہیں
ویں مہک پھلاں والی پھیل جاندی جدوں چلے نسیم اک بار ناہیں
قوم خاطر پریشانیاں سن کوئی فکر ساڈے تائیں ہور نہ سی
ے پاک محبوب دے عشق والا ساڈے دلاں اندر کدوں شور نہ سی

نہیں سی جدوں ظہور ہویا عجب رنگ ایس تیرے جہان دا سی
پتھراں دی لوکی کرن پوجا تیرے نام نوں کون پہچاندا سی
ویکھ بتاں تائیں رب کہندے ایہا شوق نادان انسان دا سی
غیب تے کوئی ایمان رکھدا ربا ! کون تینوں رب جاندا سی
خبر ہے مالکا سچیا او تیری ذات دا کسے اقرار بھی سی
لاج رکھی تیرے نام والی کوئی ہور ایہا وفادار بھی سی

ے ایس جہان سلجوق بھی سی ایہا زمیں آسمان تورانیاں دا
چین اندر موجاں ماندے سی چمن ملک ایران ایرانیاں دا
دنیا دے باغ بہار اندر رہیا نام قدیم یونانیاں دا
دھرتی سی خاص یہودیاں دی ایہا جگ جہان نصرانیاں دا
ک نام خاطر تیرے کون لڑیا رکھی سوت کے تیغ تلوار کس نے
نے بگڑے کم سوار دتے بیڑے ڈبدے نوں کیتا پار کس نے

ے معرکے ماردے رہے ہر دم پل گھڑی نہ چین آرام کیتا
مار دے جان وچ بنجراں دے کدی وچ سمندراں نام کیتا

یورپ دے گرجیاں وچ بانگاں دے کے اساں سی دین اسلام کیتا
وچ افریقہ دے رہے لڑدے تپدے بربراں وچ مقام کیتا
شان اگے کوئی چیز ناہیں جہڑی شان سی وانگ فغفور رکھدے
تیز تلواراں دے سائے ہیٹھاں کلمے پاک دا ذکر ضرور رکھدے

اسیں جنگ دیاں زحمتاں جھلنے نوں تیرے جگت اندر جیوندے جاگدے سی
تیرے نام دی لاج تے شان خاطر اپنی جان قربان کر ڈالدے سی
طلبگار ناھیں اساں مالکا او کسے ملک تے راج تے تاج دے سی
سر نوں رکھ ھتھیلی تے سدا پھردے لے کے کدوں خیال زرمال دے سی
طمع حرص ھوندی ساڈی قوم تائیں اساں دولتوں دلال نوں شاد کردے
مل ویچنے دے عوض جگ اندر کیوین بتاں نوں توڑ برباد کر دے
قدم ڈولیا کدی نہ جنگ اندر کمر کس کے سدا ھوشیار رھندے
ساڈیاں طاقتاں ویکھ میدان اندر کل شیر دلیر بیکار رھندے
جیھڑا بگڑدا تیری سرکار کولوں اساں بگڑ جاندے اوازار رھندے
اساں جاندے تیغ تلوار نوں کیہ اگے توپ دے سدا تیار رھندے
اساں نقش توحید دے نام والا دلاں سینیاں وچ آتاریا سی
تیغاں چلدیاں وچ نہ بھلیا توں تینوں دلوں نہ کدی وساریا سی
- توں ھی آ کھدے نال انصاف سائیاں کنھے توڑ خیبر تائیں پار کیتا
ھور قیصر دے شھر نوں فتح کر کے اپنے جوش دا صاف اظھار کیتا
کنھے توڑ کے بتاں دا ناس کیتا اوھناں بہت خراب تے خوار کیتا
وچ جنگ کفار دے لشکراں نوں کنھے نال تلوار فی النار کیتا
ٹھنڈے سرد، ویران، بیکار کیتے آتش خانے سی کل ایران والے
کنھے وچ جھان مشھور کیتے سارے تذکرے پاک یزدان والے
کیھڑی قوم تائیں تیری لوڑ ھوئی تیرا کون آخر طلب گار ھویا
جنگ والیاں سختیاں جھلنے نوں تیرے واسطے کون تیار ھویا
فتحمند جھان دی تیغ ساڈی جیھدا وچ جھان اقرار ھویا
کیھدی پاک تکبیر دے اثر کولوں تیرا جگ جھان ھوشیار ھویا

کس دے خوف تھیں بت دڑوٹ جاندے سدا او هناں دے گم اوسان رهندے
مونہہ دے بهار هو الله احد کهکے گردے اوپر زمین بیجان رهندے

ویلا وقت نماز دا جنگ اندر جدوں آوندا فوج سب غازیاں دی
قبلے پاک دی طرف نوں مکھ کر کے جھکے خاک تے قوم حجازیاں دی

اکو سطر اندر سارے کھوڑے رهندے اکو شان تمام نمازیاں دی
ناهیں فرق محمود ایاز اندر عجب شان سی لطف نوازیاں دی

سدا غنی، محتاج، غلام، صاحب اکو مرتبے وچ شمار هوندے
سبھے مرتبے شان وچ اک هوندے جدوں حاضر او وچ سرکار هوندے

ڈنڈ پاوندے، تیری دهائی دیندے اندر ملک دے شام سویر پھر دے
اساں وچ پہاڑ، اجاڑ، جنگل کر دے کفر تائیں سدا زیر پھر دے

تینوں خبر هے رب رحیم پیارے کدوں هار کے قسمتوں شیر پھر دے
ڈنکا دین دا اساں بجاونے نوں جگ وچ سی چار چوفیر پھر دے

چھڈ شیر پہاڑاں نوں اک پاسے اسیں پاٹ دریاواں دے پار کیتے
کالے پانیاں وچ بے خوف هو کے گھوڑے اپنے تیز رفتار کیتے

اسیں چھوٹ تھیں ملک نوں پاک کر کے کفر شرک دا دور نشان کیتا
اسیں قید غلامی دی بیڑیاں نوں دتا توڑ آزاد انسان کیتا

تیرے کعبے دی پاک زمین تائیں رگڑ متھیاں لهو لهان کیتا
اپنی جان دا اک تعویز هر دم تیرا پاک کلام قرآن کیتا
تیرے قرآن نوں سینوں سے لگا کے رکھے

پھر وی طعنیاں نال توں مارناهیں میرے نال تساڈڑا پیار ناهیں
اساں من لیتا وفادار ناهیں توں بھی بیلیا کدی دلدار ناهیں

ے تیریاں امتاں هور بھی وسن ایتھے اندر اوھناں دے بھی گنہگار لکھاں
بعضے عاجزی کرن پسند تیری، تیرے حکم تھیں کرن انکار لکھاں
بعضے مست وجود بیکار غافل سدا خوب چالاک هوشیار* لکھاں
بعضے عشق رکھدے تیرے نام والا تیرے نام کولوں اوازار لکھاں

بدل وسدا رحمتاں تیریاں دا تیرے منکراں کافراں ساریاں تے
گرن بجلیاں قسمتوں هاریاں تے مسلمان نصیباں دے ماریاں تے

دیندے بت دھائیاں بت خانے مسلمان جہانوں سدھار چلے
سبھے کرن خوشیاں دلاں وچ سارے کعبے پاک نوں چھڈ کے یار چلے
کیتا کوچ مسافراں ساریاں نے پھڑی اوٹھاں دی کل مہار چلے
اپنی بغلاں دے وچ قرآن لے کے مسلمان سارے وارو وار چلے

کفر هسدا ویکھ کے ذلتاں نوں تینوں رب ڈاڈھے خبر سار ناهیں
اپنی پاک توحید دا پکھ ناهیں تینوں نال ساڈے مہر پیار ناهیں

اساں گلہ ناهیں ساڈا هتھ خالی موجاں هور کردے۔ سانوں مات کردے
جنہاں چج ناهیں گل آکھنے دا مندا بول بولن بھیڑی بات کردے
کافر قہر هویا تیرے جگ اندر محلاں وچ بہار دن رات کردے
وعدہ حور والا کر کے اساں تائیں گلوں لاهن والی تساں بات کردے

رهی نظر سولی نہ اج تیری مہربانیاں تیریاں دور هوئیاں
پہلی گل ناهیں پہلی بات ناهیں تیری خفگیاں اساں ضرور هوئیاں

ایہ کیہ گل هے کل اسلامیاں دا اج حال خراب نادار لگدا
ایتھے قدرتاں حکمتاں تیریاں دا نہیں کجھ حساب شمار لگدا

* اصل: ”هوشیار چالاک اکھاں“۔ جو شاید کاتب کی غلطی هے (گوهر)۔

تیرے حکم تھیں وچ اجاڑ جنگل سوھنا باغ بہار گلزار لگدا
جے تو چاہیں تے وچ اجاڑ بربر چشمہ پانی والا مزیدار لگدا

غیر طعن کر دے گلاں ہس کر دے ساڈا ویکھ کے حال نادانیاں دا
اساں گردناں طوق ہے خواریاں دا ایہا عوض دتا وفادار یاراں دا؟

بنی ہوراں دی یار نے غار دنیا کیہے غیراں تھیں لطف کمال دنیا
ساڈے واسطے بنی جنجال دنیا ساڈے واسطے خواب خیال دنیا
لانبھے توڑ وچھوڑ کے اساں ہوئے لئی غیراں نے مفت سنبھال دنیا
ربا ڈاڈھیا پھیر نہ کہیں سانوں ہویا وچ توحید دا کال دنیا

اساں سلگدے سلگدے جیوندے ہاں* رہے نام تیرا تیری آس ہووے
کنیں سنیں ایہ گل نا کدی سائیاں لکیا رہے ساق پیالہ پاس ہووے

تیرے عاشقاں نے کیتے کوچ ڈیرے تیری محفلاں ہور دیاں ہور ہوئیاں
نعرے صبح والے آہاں رات بھنیاں ہوئیاں دور تے اڈ کے سور ہوئیاں
دل بھی لٹ کھڑیا اپنے عاشقاں دا پایا عوض پلے سبھے ڈھورہوئیاں
سیاں آلیاں سی تنجن دے لاونے نوں گئیاں غیر ہوکے گھروں چورہوئیاں

کیتا عاشقاں سچیاں عہد کل دا گئے نال پریم دا خیال لے کے
اوہناں ڈھونڈن ہن ایس جہان اندر سوھنے مکھ دی شمع جمال لیکے

رہیا لیلیٰ نوں سل وچھوڑیاں دا سیلا قیس تائیں آہ و زاریاں دا
اوہی نجد دے رہے پہاڑ سبھے شغل ہرنیاں دوڑ کداڑیاں دا
جیوڑا عشق والا رہیا درد بھریا جادو حسن والا گنہگاریاں دا
اوہی ترے رسول دی خاص امت تیرا نام اوہی وفاداریاں دا

* اصل : ہیں ۔۔

کیویں رنج غصے ہویا اج ساتھوں سانوں دس جلدی کریں دیر ناہیں
اپنے عاشقاں تے کریں غضب ناہیں اوھناں کولوں ربا اکھاں پھیر ناہیں

ایہہ جھوٹھ اساں تینوں بھل بیٹھے، نبی پاک ناہیں اساں چھوڑ بیٹھے
بت توڑنے تھیں اوازار ہو کے اوھناں نال محبتاں جوڑ بیٹھے
عشق چھڈیا عشق دے قصیاں تھیں جگر جاں نوں، مکھ نوں موڑ بیٹھے
اسیں رسم سلمان اویس والی منوں توڑ وچھوڑ تے چھوڑ بیٹھے

بلے لاٹ تکبیر دی اگ والی ساڈے سینیاں وچ مسال وانگوں
ساڈی زندگی ایس جہان گندے ملک حبش دے پاک بلال وانگوں

سٹیا عشق دے خیال نوں بھل بیٹھے ساڈے رہے اوہ طور اطواروی نہ
اسیں تیری رضاؤں بھی ہار بیٹھے پہلے جیہے رہے وفادار وی نہ
رہی وانگ پارے اساں تڑپ ناہیں وانگوں قطب نمادے قراربھی نہ
دتا چھوڑ اساں وفاداریاں نوں رہیا عشق دا جوش خمار بھی نہ

کدی نال ساڈے یاری لاوندا ہیں کدی غیراں دے نال پیار تیرا
گل آکھنے دی نہیں رب سچے ڈٹھا وانگ ہرمیلیاں کار تیرا

پورا دین دا چمن فاران اتے کیتا رنگ تے روپ بہار دے کے
لئے اک اشارے نے لٹ سارے عجب شوق دی دلاں نوں خمار دے کے
سوہنے مکھ دی گرمیوں پھوک سٹیا ساری سبھانوں اک دیدار دے کے
اوڑک انت اخیر اگ عشق والی رہی سلگدی چمک ہزار دے کے

پئی ٹھنڈ کلیجیاں وچ ساڈے دلاں وچ اوہ اگ آباد ناہیں
جلے بلے دکھیں تیرے اساں بندے ذرا سوچ کر لے تینوں یاد ناہیں

رہیا شور زنجیر دے کھڑکنے دا اندر نجد دے خاص میدان ناہیں
رہی دلاں نوں تانگھ نہ عشق والی مجنوں مست دا کوئی نشان ناہیں

اسیں مان ترنجڑے گئے جگ تھیں ساڈی رہی اوہ آن تے بان ناھیں
رہی گھراں اجاڑ سنسان باقی اندر مجلساں رہی اوہ شان ناھیں

چڑھے روز اوہ پھیر نصیب والا کدی نال نہوریاں گھیر آویں
ساڈی محفلاں وچ بے دھڑک ہو کے سانوں دین دیدار توں پھیر آویں

بھر بھر پین کاسے غیراں موج لگی ڈبرا ندی کنارے سب لا بیٹھے
پھڑیا جام ہتھیں قمری گیت گاوے اوھدی کوکو تے کن لا بیٹھے
سبھے باغ دے شور شرابیاں تھیں پلہ اپنا دور چھڑا بیٹھے
تیرے عشق والے اللہ ہو والی دل دے نال اڈیک لگا بیٹھے

دے دے شوق پتنگیاں بھجنے دا اوپر شمع قربان ہو جاونے دا
بجلی تائیں کلیجڑا ساڑنے دا کر دے حکم توں جگر جلاونے دا

پھرے قوم بیتاب مہار کھلی کرے تانگھ حجاز دے دیس والی
ہویا چاہ پھر بلبلاں اڈنے دا کھسے بازواں نال تے پیر خالی
بیکل باغ دے غنچیاں تائیں ایتھے دتی بخش نیاز دی بو مالی
ذرا چھیڑ دے راگ نوں ساز تائیں لگی پیاس مضراب دے عشق والی

سرتاراں دی قید تھیں نکلنے نوں ہوئے بہت حیران لاچار سارے
جلاں خاک ہوواں تیری اگ اندر لاٹاں طور دن رات پیا مارے

امت ایس غریب دیاں مشکلاں نوں بہت جلد آسان تے حل کردے
کیڑے کاھڈے کمزور نتانیاں دی سلیمان دے وانگ توں گل کردے
جنس مہر والی ہوئی بہت مہنگی ربا جلد اسدا سستا مل کر دے
بت خانے اندر بیٹھن والیاں دا مسلماناں والا کوئی دل کر دے

چمن رنگ بہار دا بھید سارا مہک گلاں تھیں باھر گلزار ہویا
ہویا قہر ایہناں کیتی چغل خوری عجب باغ بدنام تے خوار ہویا

گئی بیت ہن گھڑی بہار والی ٹٹ پھٹ کے ساز بیکار ہویا
چھوڑ ٹہنیاں گئے پرند سارے ختم بلبلاں شور پکار ہویا

آکو رہیا ایہہ باغ دے وچ بلبل جیہنوں درد رہندا سدا جھیڑیاں دا
جیہدے سینے دے وچ گھمسان مچیا غمان دردان دے رہے بکھیڑیاں دا

اڈیاں تمریاں سرو دی چوٹیاں تھیں یاری چھڈ کے باغ وی نس گیاں
ہوئیاں رونقاں پھلیاں دور سبھے اندر باغ ویرانیاں اٹک رہیاں
ہوئیاں ڈالیاں ننگیاں پتیاں تھیں آ کے خزاں نے خوبیاں لٹ لئیاں
ہویا پھلاں دا رنگ بیرنگ سارا جھڑ کے پتیاں مٹی دے وچ پئیاں

سدا موسم دی قید دے لاھنجیاں تھیں من رہندا رہیا اواگون ساڈا
کوئی حال فریاد آواز سندا بیٹھا باغ دے وچ سی کون ساڈا

مزا مرن دا رہیا نہ اساں تائیں اساں جیونا بھلا نہ بھاوندا اے
کھاندے جگر نوں بھن کباب کر کے مزا ایس دے وچ ہی آوندا اے
حدوں باجھ شمار بیتاب جوہر میرے شیشے اندر نظری آوندا اے
سینہ لکھ ہزار کروڑ جلوے اندر اپنے آپ تڑپاوندا اے

انتشارات پنجابی ادبی اکادمی

۱ - پنجابی قصے فارسی زبان میں (فارسی - اردو)

(مجلد اول) باهتمام دکتر محمد باقر ... 9 روپے

۲ - تاریخ کوہ نور (فارسی - انگلیسی)

تالیف فقیر سید نورالدین بخاری بتصحیح دکتر محمد باقر ... 2 روپے

۳ - دیوان غنیمت (فارسی)

بتصحیح و مقدمہ پروفیسر غلام ربانی عزیز ... 10 روپے

۴ - ذامۂ عشق (مثنوی سسی پنوں) (فارسی)

اثر اندرجیت منشی بتصحیح دکتر وحید قریشی ... 2 روپے

۵ - پنجابی قصے فارسی زبان میں (فارسی - اردو)

(مجلد دوم) - باهتمام دکتر محمد باقر 2.50 روپے

۶ - نیرنگ زمانه (فارسی)

تالیف عبدالرسول باهتمام دکتر محمد باقر 2.50 روپے

۷ - هیر سید وارث شاه (پنجابی)

بتصحیح و مقدمہ شیخ عبدالعزیز بار - ایٹ - لا ... 8 روپے

عمدہ کاغذ ... 12 روپے

۸ - کلیات بلھے شاه (پنجابی)

بتصحیح و مقدمہ ڈاکٹر فقیر محمد فقیر ... 7 روپے

۹ - پنجابی ادب تے سالک (پنجابی - اردو)

تالیف مولانا عبدالمجید سالک ، ترتیب ڈاکٹر عبدالسلام خورشید 1.50 روپے

25. Baqir, Dr. Muhammad, *Iqbal Exhibition, 1963* ... Rs. 1.50

۲۶ - کلیات ہدایت (پنجابی)

باہتمام ڈاکٹر فقیر محمد فقیر .... 1.00 روپیہ

۲۷ - کلیات علی حیدر (پنجابی)

باہتمام ڈاکٹر فقیر محمد فقیر .... 1.50 روپیہ

۲۸ - پربھا (پنجابی ناول)

جوشوا فضل الدین . . . 1.50 روپیہ

۲۹ - واقعات درانی (اردو) تالیف منشی عبدالکریم ،

ترجمہ میروارث علی سیفی ، باہتمام دکتر محمد باقر.....6.00 روپے

30. Baqir, Dr. Muhammad, *Lahore Museum Collections Miniatures* (10 plates) Rs. 12

31. Ahmad Nabi Khan, *Sialkot—An Ancient City of Pakistan* (Monograph). Re. 1

۳۲ - تحقیقات چشتی (اردو) تالیف مولوی نور احمد چشتی -

مرتب سید احسان علی ..... 30 روپے

۳۳ - دھرتی دیاں ریکھان (پنجابی ڈرامے)

تالیف آغا محمد اشرف .... 3 روپے

۳۴ - ہیر سید وارث شاہ (پنجابی) (بار دوم)

بتصحیح و مقدمہ شیخ عبدالعزیز بار - ایٹ لا 6 روپے

۳۵ - کلیات بلھے شاہ (پنجابی) (بار دوم)

بتصحیح و مقدمہ ڈاکٹر فقیر محمد فقیر 5 روپے

۳۶ - مسلمانوں کے فنون (اردو) (تالیف ایم - ایس - ڈیمنڈ)

ترجمہ پروفیسر ڈاکٹر شیخ عنایت اللہ 20 روپے

۳۷ - پنجابی ادب تے سالک (پنجابی - اردو)(بار دوم)

تالیف مولانا عبدالمجید سالک ، ترتیب ڈاکٹر عبدالسلام خورشید 1.50 روپے

پنجابی ادبی اکیڈیمی،

سیلز ڈپو:

۱ - کچہری روڈ، لاہور